عنوان

نوشتہ تقدیر

تحریر: محمد عثمان

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

السلام علیکم

نوشتہ_تقدیر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(انسان کی ساری کوششیں اور کاوشیں قضاوقدر کے سامنے بے وقعت ٹھہرتی ہیں. بعض لوگ تقدیر اور قسمت کو توہم پرست اور جاہل لوگوں کے فرسودہ خیالات سے تعبیر کرتے ہیں. لیکن جب ان کی زندگی اسی تقدیر کے شکنجے میں پھنستی ہے تو ایسی داستانیں جنم لیتی ہیں(
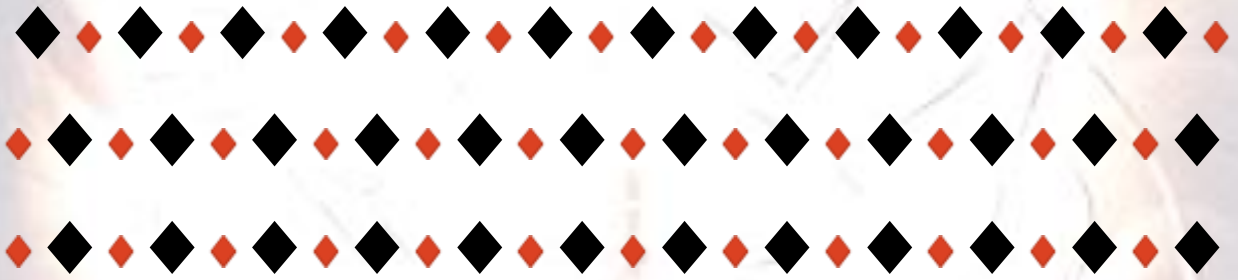
"آج حسن نظر نہیں آرہا" تفریح کے وقت جب میں کالج کے گراؤنڈ میں پہنچا تو حسن کی غیر موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے میں نے بینچ پر بیٹھے اپنے تینوں دوستوں سے پوچھا. ضیغم، حسن، سلمان، آفاق اور میں آپس میں دوست تھے اور اکثر اوقات تفریح میں اکٹھے بیٹھ کر گپ شپ کرتے تھے.

"اپنا بلیٹن تیار کر رہا ہو گا" آفاق نے اندازہ لگایا.

"میرا بھی یہی خیال ہے" ضیغم نے بھی اپنی رائے دی.

"لو بھئی انتظار کی گھڑیاں ختم. سی این این کا رپورٹر آن پہنچا" حسن کو آتا دیکھ کر سلمان نے بے ساختہ کہا اور ہم چاروں ہنس دیئے. ہر بات کی سن گن لینا اور حالات حاضرہ سے واقف رہنا حسن کا من پسند مشغلہ تھا اور اس کی اس عادت سے ہم سبھی واقف تھے.

"السلام علیکم دوستو! آج آپ لوگوں کے لیے میرے پاس ایک انتہائی اہم اور چونکا دینے والی خبر ہے. اگر آپ حضرات کی اجازت ہو تو عرض کروں؟" حسن نے حسب عادت بریکنگ نیوز شیئر کرنا ضروری سمجھا.

ہم سب نے سلام کا جواب دیا. "جی جناب آپ ہیڈ لائنز کا آغاز کیجیئے. ہم سب آپ کے خبر نامے کے انتظار میں ہی یہاں بیٹھے ہیں". آفاق نے کہا.

"ہمارے سینیئرز میں جو حمزہ بھائی تھے وہ آپ سب کو یاد ہی ہوں گے" حسن نے اپنی بات کا آغاز کیا.

"ہاں ہاں وہی چشمے والے حمزہ بھائی نا جنہوں نے پچھلے سال کالج میں ٹاپ کیا تھا؟" میں نے تصدیق کرنا چاہی.

"ہاں بالکل وہی. کل کالج سے واپسی پر راستے میں میری ان سے ملاقات ہوئی تو انہیں گورنمنٹ کالج کے یونیفارم میں دیکھ کر میں تو ہکا بکا رہ گیا. میں نے ان نے پوچھا کہ بھائی کیا کنگ ایڈورڈ یونیورسٹی میں بھی گورنمنٹ کالج جیسا یونیفارم پہننا لازمی ہو گیا ہے تو کہنے لگے کہ تمہیں کس نے

کہا کہ میں کے-ای میں پڑھتا ہوں. میں تو گورنمنٹ کالج سے بی ایس کر رہا ہوں". حسن نے گویا بم پھوڑا.

"کیا!!!!" اس کی بات سن کر ہم چاروں کے منہ کھل گئے. ضیغم بولا "ارے ہوش میں تو ہو نا. حمزہ بھائی میٹرک اور ایف ایس سی میں اپنے سکول اور کالج کے ٹاپر تھے. اور یقیناً انٹرنس ٹیسٹ میں بھی ان کے امتیازی نمبر آئے ہوں گے. پھر بھلا وہ اس پھٹیچر گورنمنٹ کالج سے بی ایس کیوں کرنے لگے جہاں لیبارٹری کے نام پر ٹیسٹ ٹیوب بھی موجود نہیں."

"پوری بات تو سن لو. درمیان میں ہی شروع ہو گئے ہو. مجھ پر یوں چڑھائی کر رہے ہو جیسے میں نے ہی حمزہ بھائی کو گورنمنٹ کالج میں داخلہ لینے کا مشورہ دیا ہو" حسن نے برا سا منہ بنایا.

"اچھا چھوڑو یار. تم اپنی بات جاری رکھو". میں نے اسے دلاسہ دیا.

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ حمزہ بھائی نے بتایا کہ میں تو بی ایس کر رہا ہوں. میں نے پوچھا کہ بھائی آپ نے میڈیکل کالج میں داخلہ کیوں نہیں لیا تو انہوں نے ایک سرد آہ بھری اور کہنے لگے کہ انٹرنس ٹیسٹ میں مارکس کم آئے تھے جس کی وجہ سے میں میرٹ پر نہیں آ سکا" حسن نے اپنی بات مکمل کی. اس کی بات سن کر ہم سب حیران و پریشان رہ گئے تھے .

"ایک تو یہ انٹرنس ٹیسٹ کی بلا جان نہیں چھوڑتی. تیاری کر کر کے بندہ پاگل ہو جاتا ہے لیکن عین ٹیسٹ کے موقع پر ایسی گھبراہٹ طاری ہوتی ہے کہ بڑے بڑوں کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں

. میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ ایف ایس سی کے بعد چپ کر کے کسی لاء کالج میں داخلہ لے لوں گا

. ہم تو رہے ایسے ڈاکٹر بننے سے " آفاق نے گویا انٹرنس ٹیسٹ کے آگے سرنڈر کر دیا .

"اصل مرحلہ تو انٹرنس ٹیسٹ کے بعد شروع ہوتا ہے جب میرٹ لسٹس بنتی ہیں. بچپن میں وہ جملہ یاد کیا کرتے تھے کہ مہنگائی کی وجہ سے قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں. مجھے یقین ہے کہ اگر کتاب کے مصنف نے انٹرنس ٹیسٹ دیا ہوتا تو وہ اس کی بجائے یہ جملہ بناتا کہ میڈیکل کالجوں کا میرٹ آسمان سے باتیں کر رہا ہے "میری اس بات پر سب کا مشترکہ قہقہہ بلند ہوا .

"میرے خیال میں اس چیز میں محنت کے علاوہ قسمت کا بھی عمل دخل ہے. اگر قسمت ساتھ دے تو تکے بھی ٹھیک لگ جاتے ہیں اور اگر قسمت میں ڈاکٹری نہ لکھی ہو تو حمزہ بھائی جیسے ٹاپر بھی رہ جاتے ہیں " سلمان نے اپنا خیال ظاہر کیا. ابھی یہ باتیں جاری تھیں کہ حارث آتا ہوا دکھائی دیا. حارث کا شمار کالج کے ذہین ترین طلبا میں ہوتا تھا. اسی ذہانت نے اسے تھوڑا مغرور اور خودسر بنا دیا تھا. قریب آکر اس نے سلام کیا اور ہمارے پاس بیٹھ گیا .

"ہاں بھئی کیا بحث چل رہی ہے کچھ ہمیں بھی پتہ چلے " حارث نے اپنا چشمہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا .

"کچھ خاص نہیں بس حمزہ بھائی کی بات ہو رہی تھی کہ انٹرنس ٹیسٹ میں کم نمبروں کی وجہ سے ان کا داخلہ نہیں ہو سکا " ضیغم نے بتایا.

"اوہ سن کر افسوس ہوا". حارث نے اس بات پر غیر متوقع طور پر واجبی سا رد عمل دیا.

"انٹرنس ٹیسٹ میں نمبر کم آنے کا تو بہانہ تھا. سلمان صحیح کہہ رہا ہے کہ حمزہ بھائی کی قسمت میں ہی ایم بی بی ایس نہیں لکھا ورنہ ان جیسا ذہین لڑکا میں نے آج تک نہیں دیکھا". آفاق کی اس بات پر حارث تو گویا پھڑک اٹھا.

"کیا جاہلوں والی باتیں کر رہے ہو. آدمی اپنی قسمت خود بناتا ہے. ہم بھی عجیب لوگ ہیں. اگر کامیاب ہو جائیں تو محنت کا کمال اور اگر ناکام ہو جائیں تو قسمت کا خانہ خراب. یہ خوب منطق ہے. خود محنت نہ کرنا اور نتیجے کو قسمت کے سر تھوپ دینا کہاں کی دانش مندی ہے."

"گویا تمہاری بات کا یہ مطلب ہے کہ حمزہ بھائی نے محنت نہیں کی اس لیے ٹیسٹ کلیئر نہ کر سکے؟" آفاق بھی بحث کے لیے تیار ہو گیا.

"یقیناً ان کی تیاری میں کوئی کمی رہ گئی ہو گی جس کی وجہ سے ان کا ٹیسٹ کلیئر نہیں ہوا."

"اور بالفرض اگر ایسا نہ ہوا ہو تو؟؟ "

"مسٹر آفاق میں مفروضوں پر یقین نہیں رکھتا. جو محنت کرتا ہے وہ ضرور کامیاب ہوتا ہے. یہ ایک اٹل حقیقت ہے. اگر تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ حمزہ بھائی پوری محنت کے باوجود صرف قسمت کی وجہ سے داخلہ حاصل نہ کر سکے تو تم سے بڑا احمق کوئی نہیں. یہ قسمت اور تقدیر کی باتیں سب فریب ہیں. قسمت تو صرف ایک ڈھکوسلا ہے جسے نکمے اور ہڈ حرام لوگ اپنی نالائقی اور کاہلی

چھپانے کے لیے سپر کے طور پر استعمال کرتے ہیں."

احمق کا خطاب ملنے پر آفاق تو سیخ پا ہو گیا. "شاید تمہارے ان الٹرا ماڈرن نظریات کا ماخذ وہ گورے ہیں جن کے تم ذہنی غلام ہو اور جن کی اندھی تقلید کو تم باعث افتخار سمجھتے ہو."

آفاق کے طنز پر حارث مسکرا دیا. "اگر دقیانوسی خیالات کا انکار انسان کو انگریزوں کا مقلد بنا دیتا ہے تو میرے خیال میں ایسی تقلید کافی سود مند ہے."

"یار کچھ تو خدا کا خوف کرو. تم قسمت کے اثر کے انکاری ہو مگر یوں اس کو دقیانوسی خیال کہنا اور نالائقوں کا ڈھکوسلا قرار دینا بھی مناسب نہیں". میں نے بحث کو ختم کرنے کے لیے محتاط سی رائے دی.

"میں تو صرف ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ اکیسویں صدی میں قسمت کو محنت پر فوقیت دینا نری جہالت ہے. یورپ نے ان بے بنیاد افکار کو اپنے ہاں سے بے دخل کیا اور آج دیکھو وہ ترقی کی معراج کو چھو رہے ہیں جبکہ ہم اب تک ان آؤٹ ڈیٹڈ خیالات کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں". وہ حارث ہی کیا جسے بحث میں کوئی شکست دے سکے.

"جو بھی ہو لیکن حارث میاں یاد رکھنا کہ ہر چیز کا حساب ہمیشہ دو جمع دو چار نہیں ہوا کرتا". ضیغم نے اپنے تیئں اسے سمجھانے کی کوشش کی.

"ہاں شاید اسی وجہ سے تمہارے فزکس کے نمیریکلز اکثر غلط ہو جاتے ہیں کیونکہ تمہارے

نزدیک دو جمع دو ہمیشہ چار نہیں ہوتا" ضیغم کی فزکس میں کمزوری کو نشانہ بنا کر چلائے جانے والے حارث کے اس طنزیہ نشتر نے اس کو خاموش ہونے پر مجبور کر دیا.

"تمہارے کہنے کے مطابق اہل یورپ نے ترقی قسمت جیسے فرسودہ خیالات سے جان چھڑانے کی وجہ سے کی ہے لیکن میرے پاس اس بات کا ثبوت ہے کہ اہل یورپ بھی تقدیر کی اثرانگیزی پر یقین رکھتے ہیں". حسن نے بھی بحث میں اپنا حصہ ڈالا.

"اچھا وہ کون سا ثبوت ہے؟" حارث نے دلچسپی سے پوچھا. اور ہم چاروں بھی دیکھنے لگے کہ اب یہ کون سی پھلجڑی چھوڑتا ہے.

"دیکھو نا انگریزی میں بھی قسمت کے لیے کئی الفاظ مستعمل ہیں جیسے lot, providence, fortune,luck,destiny,fate,kismet وغیرہ. اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرنگی بھی قسمت پر یقین رکھتے ہیں". اتنی "مضبوط" دلیل دینے کے بعد حسن نے داد طلب نگاہوں سے ہماری طرف دیکھا جبکہ ہم اپنی ہنسی چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگے .

"اچھا اس بات سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ اہل یورپ قسمت پر یقین رکھتے ہیں؟" حارث نے بھی اپنی ہنسی دباتے ہوئے پوچھا.

"او بھائی سیدھی سی بات ہے. جب ان کی زبان میں یہ الفاظ موجود ہیں تو وہ ان کو استعمال بھی تو کرتے ہوں گے. لا محالہ ثابت ہوا کہ وہ قسمت پر یقین رکھتے ہیں. اگر قسمت کے ہم معنی الفاظ

انگریزی میں نہ ہوتے تو تم کہہ سکتے تھے کہ انگریز تقدیر کے منکر ہیں. جیسے انگریز لوٹا استعمال نہیں کرتے اس لیے انگریزی میں لوٹے کے لیے کوئی لفظ موجود نہیں". حسن کی اس بات پر حارث سمیت ہم سب ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے .

"واہ بھئی! اتنی ٹاپ کلاس منطق تو میں نے آج تک نہ پڑھی ہے نہ سنی ہے. اگر تم سکندر اعظم کے دور میں ہوتے تو ارسطو بیچارے کی دال کیا چاول بھی نہ گلتے. خیر تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ لوٹے کو انگریزی میں Ewer کہتے ہیں". حارث نے حسن کو شرمندہ ہونے پر مجبور کر دیا.

"اچھا اگر تمہاری زندگی میں کوئی ایسا موقع آ جائے کہ تم اپنی پوری جدوجہد کے باوجود اپنے مقصد کو نہ پا سکو تو کیا تب بھی تمہارے یہی خیالات ہوں گے ؟" اب کی بار سلمان نے سوال کیا .

"اس سوال کا جواب میں الفاظ میں نہیں بلکہ عملاً دوں گا. انٹرنس ٹیسٹ میں پانچ چھ ماہ رہ گئے ہیں . اور تم اگر اگلے سال اسی تاریخ کو مجھ سے ملنا چاہو تو کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی کے ڈائی سیکشن ہال میں آ جانا". اتنا کہہ کر حارث کلاس روم کی طرف چل دیا اور ہم سب بھی اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ تفریح کا وقفہ ختم ہو چکا تھا اور پروفیسر راشد کی کلاس میں لیٹ ہونے کی صورت میں سارا لیکچر کھڑے ہو کر سننا پڑتا.

◆ ◆

◆ ◆

◆ ◆

اس دن کے مباحثے کے بعد سے آفاق اور حارث میں بول چال بند ہو گئی تھی البتہ ہم چاروں کی حارث سے ہلکی پھلکی بات چیت ہوتی رہتی تھی. زندگی میں سیکھنے کے دو ہی طریقے ہیں. ایک یہ کہ انسان دوسروں کے تجربات سے استفادہ کرے اور دوسرا یہ کہ خود اپنی زندگی میں وقوع پذیر ہونے والے وقائع سے سبق کشید کیا جائے. اور حارث کا شمار موخر الذکر طریقہ اپنانے والوں میں ہوتا تھا. اسی لیے اس سے اس موضوع پر مزید بحث فضول تھی. وقت آہستہ آہستہ گزرتا گیا اور سالانہ امتحانات قریب آ گئے. پری بورڈ ایگزیمز کے بعد ہمیں کالج سے فارغ کر دیا گیا. چنانچہ دوستوں سے بھی رابطہ کم ہو گیا. بورڈ کے امتحانات کے بعد ہم سبھی انٹرنس ٹیسٹ کی تیاری میں لگ گئے. انٹرنس ٹیسٹ والے دن اتفاق سے میری حارث سے ملاقات ہو گئی.

"کیسی تیاری ہے؟" میں نے رسماً حارث سے پوچھا حالانکہ میں جانتا تھا کہ کیا جواب ملے گا.

امتحانات سے قبل حارث صحیح معنوں میں مطالعے میں غرق ہو جاتا تھا. یہی وجہ تھی کہ میٹرک اور پارٹ ون میں اس کے شاندار مارکس تھے.

"ایک دم زبردست" حسب توقع حارث نے چہکتے ہوئے جواب دیا. اس کے بعد ہم اپنی اپنی

نشستوں کی طرف چل دیئے. اسی شام کو ریسپانس کی آگئی اور جب میں نے اپنے نمبروں کا حساب لگایا تو 818 کا ہندسہ میرا منہ چڑا رہا تھا. 818 نمبر لے کر میڈیکل کالج میں داخلے کا خواب دیکھنا نری بے وقوفی تھی. یوں بھی میٹرک اور انٹر میں میرے واجبی سے نمبر تھے .

"یقیناً حارث نے ہزار کا ہندسہ ضرور عبور کیا ہو گا" ایک سوچ میرے ذہن میں ابھری اور میں نے تجسس کے مارے حارث کو فون کر دیا.

"ہاں حارث کیا بنا بھئی ؟"

"ارے بننا کیا ہے 1028 مارکس ہیں" حارث نے خوشی بھرے انداز میں بتایا.

"مبارک ہو بھائی". میں نے حسرت بھرے لہجے میں کہا. چند رسمی باتوں کے بعد فون رکھ کر میں سوچنے لگا کہ شاید حارث ٹھیک ہی کہتا تھا. صرف محنت ہی کامیابی کا راز ہے. قسمت کا کامیابی میں کوئی عمل دخل نہیں .

"لیکن کیا حمزہ بھائی نے محنت نہیں کی ہو گی ؟" ذہن نے فوراً سوال اٹھایا اور اسی سوال کا جواب سوچتے سوچتے میں سو گیا. صبح اٹھ کر اپنے ڈاکومنٹس اٹھائے اور گورنمنٹ کالج میں بی ایس سی میں ایڈمیشن کے لیے اپلائی کر دیا. انٹر میں تو والد صاحب نے جیسے تیسے پرائیویٹ کالج کی فیس ادا کر دی تھی لیکن وہ مزید اس شہ خرچی کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے. یوں بھی اوسط طبقے کے ان

طلبہ کے لیے جو امتیازی نمبر نہ لے سکیں، اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیے اپنی تمام ترزبوں حالی کے باوجود گورنمنٹ کالج ہی واحد سہارا ہوتا ہے.

وقت پر لگا کر اڑتا رہا. دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں بدلتے رہے اور یونہی بی ایس سی کے دو سال بیت گئے. ان دو سالوں میں باقی دوستوں سے گاہے بگاہے ملاقاتیں ہوتی رہیں لیکن حارث کا نمبر ہمیشہ بند ہی ملا. شاید اس نے نمبر تبدیل کر لیا تھا. اس کے گھر کا ایڈریس بھی کسی دوست کو معلوم نہیں تھا کیونکہ وہ کالج کی دوستیاں کالج تک ہی محدود رکھنے کا قائل تھا. ستمبر کی ایک صبح میں بی ایس سی کا رزلٹ کارڈ لینے جب کالج آفس پہنچا تو ایک لڑکا وہاں پر بی ایس کے ایڈمشنز کے بارے معلومات لے رہا تھا. اس کی آواز مجھے جانی پہچانی لگی لیکن اس کی پشت میری جانب تھی اس لیے اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا. جیسے ہی وہ پلٹا تو حیرت و استعجاب کے مارے میرا منہ کھل گیا. وہ حارث تھا.

"حارث تم ادھر کہاں؟" میرے اس سوال پر اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا. ایسی کربناک مسکراہٹ میں نے آج تک نہیں دیکھی. دکھ، تکلیف، احساس ندامت، بے بسی نجانے

اس تبسم میں کیا کیا پنہاں تھا.

"بی ایس میں داخلہ لینے آیا ہوں". اس نے اپنی آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں کو پینے کی ناکام کوشش کی.

"آؤ گراؤنڈ میں چل کر بات کرتے ہیں" اس کی حالت کے پیش نظر میں اسے آفس سے گراؤنڈ میں لے گیا. گراؤنڈ میں پہنچتے ہی ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا.

"میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ تقدیر صرف نکمے لوگوں کا ڈھکوسلا ہے. لیکن آج مجھے سمجھ آگئی کہ بعض اوقات تقدیر کے آگے انسان کس قدر بے بس ہو جاتا ہے. دو سالوں سے انٹرنس ٹیسٹ دے رہا ہوں. پہلے سال اعشاریہ دو فیصد کے فرق سے داخلہ نہ ملا اور اس سال اعشاریہ ایک فیصد سے رہ گیا. صرف ایک سوال اور صحیح ہو جاتا تو..." اس سے آگے وہ نہ بول سکا اور اس کی ہچکیاں بندھ گئیں. میرے پاس تو اسے دلاسہ دینے کے لیے الفاظ بھی نہیں تھے. قسمت کو دقیانوسی خیال قرار دینے والے کے دو سال صرف ایک سوال کی وجہ سے ضائع ہو چکے تھے .

"لیکن جب میں نے تمہیں فون کیا تھا تو تب تو تم نے مجھے کچھ اور بتایا تھا" میرے دماغ میں کلبلاتا سوال بالآخر زبان سے پھسل ہی گیا.

"اس دن کی بحث کے بعد کس منہ سے کہتا کہ میرے نمبر کم ہیں. میرے ذہن میں یہی تھا کہ سب کو یہی بتاؤں گا کہ میرا داخلہ ہو گیا ہے اور اگلے سال دوبارہ انٹرنس ٹیسٹ دے کر داخلہ

لے لوں گا. لیکن کسے معلوم تھا کہ تقدیر کا جھکڑ میرے خوابوں کے شیش محل کو یوں زمین بوس کر دے گا" حارث نے روتے ہوئے جواب دیا.

"کل ایک کتاب کا مطالعہ کرتے جب میری نظر حدیث مبارکہ پر پڑی جس کا مضمون تھا کہ تقدیر کے منکر اس امت کے مجوسی ہیں تو مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میری روح کھینچ لی ہو. مغربی افکار کی پیروی نے میری دنیا تو تباہ کی ہی تھی مجھے دین سے بھی تہی دامن کر دیا. جس تقدیر کا میں منکر بنا بیٹھا تھا آج اسی نے مجھے کنگ ایڈورڈ یونیورسٹی کی جگہ گورنمنٹ کالج میں لا پھینکا ہے. مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کس کس بات پر نوحہ کناں ہوں. اپنی بے بسی پر، خوابوں کے چکنا چور ہونے پر ، ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھنے پر یا عمر عزیز کے دو سال ضائع ہونے پر" اس کا گلا رندھ گیا.

انسان نہ تو مجبور محض ہے اور نہ مختار کل. کئی جگہوں پر محنت قسمت کے ہاتھوں مات کھا جاتی ہے اور انہی میں سے ایک جگہ پر حارث کھڑا تھا. وہی حارث جو قسمت کا مذاق اڑاتا رہا لیکن جب اس کی اپنی زندگی کی طنابیں تقدیر کے گرداب میں پھنسیں تو اسے قضا و قدر کے وجود کا احساس ہوا. شاید قدرت نے اسی طرح اسے ایمان بالقدر کی طرف مائل کرنا تھا. شاید یہی نوشتہ تقدیر تھا.

ختم شد

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

السلام علیکم